اوراقِ علمیہ (2)

کیا انبیاء کرام علیہم السلام سیاست کرتے تھے؟

اعداد:

فیضان فیصل

(جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)

https://t.me/AuraqIlmiah

ضروریات ومصالح یا شہواتِ نفس کیلیے شرعی نصوص ومصطلحات کا خود ساختہ استعمال پرانی ریت ہے۔ خوارج نے بھی "إن الحكم إلا لله" کا نعرہ لگایا تھا، جو دینِ اسلام کا اصولِ اعظم ہے، مگر وہ قتل کے مستحق قرار پائے۔ معتزلہ نے اپنی طرف سے توحید کا علم بلند کیا مگر کفر کے دہانے پر جا پہنچے۔ ہر گمراہ نے ہمیشہ سے یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ ہمارے ہاں ہر دفعہ ووٹنگ کے تماشے پر "نصر من الله وفتح قريب" کو چسپاں کرنا معمول ہے۔ دنیا جہان کے منکرات میں پڑے ہوئے "لا إكراه في الدين" کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے اسی بدعی سلسلے اور خارجی سنت نے دراز ہوتے ہوتے ایک نئے استدلال کو جنم دیا ہے، جس کی حقیقت بیان کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كانَتْ بَنُو إسْرائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأنْبِياءُ، كُلَّما هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وإنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وسَيَكُونُ خُلَفاءُ فَيَكْثُرُونَ» قالُوا: فَما تَأْمُرُنا؟ قالَ: «فُوا بِبَيْعَةِ الأوَّلِ فالأوَّلِ، أعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإنَّ اللَّهَ سائِلُهُمْ عَمّا اسْتَرْعاهُمْ».

"بنی اسرائیل میں ان کے معاملات کی باگ ڈور انبیاء کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ جب ایک نبی گزرتا تو دوسرا اس کی جگہ آ جاتا، اور بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔" لوگوں نے سوال کیا: "پھر آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟" فرمایا: "جس کی بیعت پہلے ہو جائے اس سے وفا کرنا، ان حکمرانوں کا حق ادا کرتے رہنا، پس بیشک اللہ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں باز پرس کرنے والا ہے۔"[1]

اس حدیث سے سیاسی کشمکش میں حصہ دار بننے اور حکومت کیلیے ووٹ مانگنے پر استدلال کیا جا رہا ہے اور اسے شیوۂ پیمبری بتا کر خاصا فضیلت والا کام سمجھا جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی صاحبِ نظر اس حدیث کے سیاق اور مدلول پر ادنی بھی تامل کر لے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ استدلال اتنا ہی وقیع اور وجیہ ہے جتنا بعض لوگوں کا "نعمت البدعة هذه" سے قُل، تیجے اور میلاد کے بدعتِ حسنہ ہونے پر استدلال کرنا ہے۔

1. (صحيح البخاري: ٣٤٥٥، صحيح مسلم: ١٨٤٢)

بطورِ تمہید تین باتیں سمجھنے کی ہیں:

۱) سیاست اور حکومت مترادف نہیں ہیں۔ لغت میں سیاست کا معنی ہے کسی چیز کی اصلاح کا ذمہ لینا۔ گھوڑوں وغیرہ کی دیکھ بھال کرنے والے کو چوان کو بھی "سائس" کہا جاتا ہے۔[1] امورِ حکومت کو بھی سیاست اس لیے کہتے ہیں کہ حکمران رعایا کے امور کی اصلاح اور تدبیر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس لیے انبیاء کرام کے سیاست کرنے سے مراد ان کا حکومت کرنا نہیں ہے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء سیاست کرتے تھے مگر حکومت صرف چند کو ہی عطا ہوئی تھی۔

۲) "السیاسة" کوئی شرعی اصطلاح نہیں ہے۔ حکومتی امور (المعروف بہ سیاست) کیلیے شرعی اصطلاحات الخلافة، الإمارة، الإمامة وغیرہ ہیں۔ کتاب وسنت میں سیاست کا مادہ اسی ایک مقام پر استعمال ہوا ہے، جو اپنے لغوی سیاق میں ہے، اور اس سے کوئی شرعی حقیقت مراد نہیں ہے۔

۳) اگر یہ دو باتیں سمجھ لی جائیں تو پھر یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ محدثین اور شارحینِ حدیث نے جملہ "كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء" کا اجمالی معنی بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے اور اس سے احکام وفوائد کا استخراج نہیں فرمایا۔ اسی طرح فقہاء نے سیاستِ شرعیہ کے ابواب میں اسے ذکر کرکے امارت کے وجوب، امارت کی ضرورت یا امارت کی فضیلت پر استدلال کرنے کا تکلف نہیں فرمایا۔

حدیث کا مفہوم اور مفاد:

حدیث میں جملہ "كَانَتْ بَنُو إِسْرائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ" خبر کے طور پر ہے، جو مقصود لذاتہ نہیں ہے، بلکہ ایک اہم مقصد پر استدلال کیلیے وارد ہوا ہے، اور وہ ہے مسلمانوں کی قائم شدہ امارت پر جمع رہنا اور بغاوت وشقِ عصا سے باز رہنا۔ کیونکہ پہلے لوگ انبیاء کی شخصیت پر جمع ہوتے تھے، اور حاکم بھی احکامِ نبوت کے تابع ہوتا تھا (اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے)۔ اب چونکہ نبوت کا سلسلہ باقی نہیں ہے، سو اجتماع کو برقرار رکھنے کی صورت یہ ہے کہ خلیفۂ وقت یا اس کے نائب کے تحت جمع رہا جائے۔ حدیث کے اس مفہوم پر محدثین کرام کا اجماع ہے، اور اس کی مخالفت ضلالِ مبین ہے۔

۱) امام ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۲۳۵ھ) نے اسے باب "من كره الخروج في الفتنة وتعوذ عنها" کے تحت ذکر کیا ہے۔ یعنی جن صحابہ وتابعین نے قتالِ فتنہ میں پڑنے کو ناپسند کیا اور اس سے پناہ مانگی ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ [2]

---

1. (دیکھیے: لسان العرب لابن منظور: ٦/١٠٨، تاج العروس للزبيدي: ١٦/١٥٩)
2. (مصنف ابن أبي شيبة: ٧/ ٤٦٤، رقم: ٣٧٢٦٠)

٢) امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ (٢٤١ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: "ما أحسن هذا الحديث! -كأنه أعجبه- وهو قول أهل السنة" "کتنی شاندار حدیث ہے- گویا آپ نے اسے پسند کیا- اور یہی اہل السنۃ کا مذہب ہے۔" یعنی حکمران پر جمع رہنا اور اس کے خلاف خروج نہ کرنا ہی اہل السنۃ کا مذہب ہے۔[1]

٣) امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (٢٧٣ھ) نے اس پر باب قائم کیا ہے: "باب الوفاء بالبيعة" یعنی حکمران کی بیعت نبھانے کا باب۔[2]

٤) امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ (٢٨٧ھ) نے اسے "باب في ذكر السمع والطاعة" میں ذکر کیا ہے، یعنی مسلمان حاکم کی سمع و اطاعت کے دلائل کا بیان۔[3]

٥) امام ابو بکر الخلال رحمہ اللہ (٣١١ھ) نے کتاب السنۃ کی ابتداء میں فرمایا: "ما يبتدأ به من طاعة الإمام، وترك الخروج عليه، وغير ذلك" یعنی حکمران کی اطاعت اور اس پر خروج ترک کرنا، و دیگر ایسے امور کا بیان۔ اور پھر یہ حدیث لائے ہیں۔[4]

٦) امام ابو عوانہ رحمہ اللہ (٣١٦ھ) فرماتے ہیں: "بيان الخبر الموجب على الرعية الوفاء ببيعة الإمام، وترك الامتناع من إعطاء حقهم الذي يجب لهم." "اس حدیث کا بیان جس کی رُو سے رعایا پر امام کی بیعت پر قائم رہنا اور ان کے لازمی حقِ سمع و اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچنا واجب قرار پاتا ہے۔"[5]

٧) امام بیہقی رحمہ اللہ (٤٥٨ھ) نے باب باندھا ہے: "باب لا يصلح إمامان في عصر واحد" "باب اس متعلق کہ ایک وقت میں دو حکمرانوں کا ہونا صحیح نہیں۔"[6][7]

---

1. (السنة للخلال : ٧٧/ ١)

2. (سنن ابن ماجه : ٢/ ٩٥٨، رقم : ٢٨٧١)

3. (السنة لابن أبي عاصم : ٢/ ٥١٢ ، رقم : ١٠٧٨)

4. (السنة للخلال : ١/ ٧٨ ، رقم : ٧)

5. (مستخرج أبي عوانة : ٤/ ٤١٠ ، رقم : ٧١٣١)

6. (السنن الكبير للبيهقي : ٨/ ٢٤٩ ، رقم : ١٦٥٤٨)

7. تعدّدِ خلفاء کی بحث فقہاء کے ہاں معروف ہے۔ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن بطورِ افادہ و بغرضِ حفظِ ماتقدم تین باتیں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

١) اہل السنۃ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ خلیفہ ایک ہونا چاہیے۔ لیکن تباعدِ اقطار اور اضطراری صورت میں ایک سے زائد خلفاء ہو سکتے ہیں، اور سبھی کی ولایت ان کے زیرِ سلطان علاقے پر شرعاً معتبر ہے۔ یہی محققین علماء مثل شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام محمد بن عبد الوہاب و قاضی شوکانی رحمہم اللہ کی رائے ہے۔ (مجموع الفتاوى : ١٧٥/ ٣٤ ، الدرر السنية : ٥/ ٩، السيل الجرار : ٩٤١)

٢) فقہاء کے ہاں اس موضوع پر بحث محض نظری نوعیت کی ہے۔ عملاً ہمیشہ سے علماء کا اجماع ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے حکمرانوں =

۸) امام بغوی رحمہ اللہ (٥١٦ھ) نے باب قائم کیا ہے: "بابُ مَن يَخْرُجُ عَلى الإمامِ والوَفاءِ بِبَيْعَةِ الأوَّلِ" "باب اس بارے میں کہ جو حکمران پر خروج کرے (اس کا حکم)، اور جس کی بیعت پہلے ہو جائے اس سے عہد نبھانے کا بیان۔"[1]

۹) حافظ ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (٦٤٣ھ) نے اس پر باب باندھا ہے: "باب الصبر على جور الأئمة وترك قتالهم" "حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے قتال ترک کرنے کا باب۔"[2]

۱۰) علامہ مجد ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٦٥٢ھ) نے باب قائم کیا ہے: "باب الصبر على جور الأئمة وترك قتالهم والكف عن إقامة السيف" "حکمرانوں کے ظلم پر صبر کرنے، ان سے قتال ترک کرنے، اور تلوار نکالنے سے باز رہنے کا باب۔"[3]

۱۱) حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) نے صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث پر باب قائم کیا ہے: "باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء، الأول فالأول" "باب اس حکم کے بیان میں کہ الاول فالاول کے تحت خلفاء کی بیعت نبھائی جائے۔"[4]

ان تبویبات سے واضح ہوا کہ حدیث کا معنی و مقصود یہ تعلیم دینا ہے کہ حاکمِ وقت کی اطاعت پر قائم رہا جائے، اور اس کے خلاف خروج، یا اس سے حکومت ہتھیانے کی جدوجہد سے باز رہا جائے۔ تاکہ مسلمان ایک شخصیت کے گرد جمع ہوں، جیسے انبیاء کی موجودگی میں ہوا کرتا تھا۔ اگر اس کا معنی وہ ہوتا جو حزبی جماعتیں مراد لیتی ہیں تو اس پر انبیاء کی سیاست، حصولِ سیاست اور فضلِ سیاست سے متعلقہ ابواب قائم ہونے چاہیے تھے۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ یہ حدیث الٹا ان جماعتوں پر حجت ہے اور اس میں ان کی حصولِ اقتدار کی غیر شرعی جدوجہد پر قطعی رد ہے، جبکہ دیگر صریح نصوص اس کے علاوہ ہیں۔

"تسوسهم الأنبياء" کی مزید توضیح:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِن بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّـهِ﴾

= کی بیعت کرتے ہیں، ان کے خلاف خروج کو حرام قرار دیتے ہیں، اس اصول کو اپنے عقائد میں مدون کرتے ہیں، اور اسی کی اپنے تلامذہ کو نصیحت کرتے ہیں۔

۳) اس حدیث کا ظاہر "وسيكون خلفاء فيكثرون" اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر علاقے کا حکمران اس علاقے کے باشندوں کیلیے شرعی امیر کی حیثیت رکھتا ہو۔ کیونکہ شریعت کیلیے امامتِ مؤحدہ کی شرط لگانے سے کثرتِ خلفاء کی خبر کی تکذیب لازم آتی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بارہ صدیوں سے مسلمان جاہلیت کی موت مرتے آرہے ہیں، جو کہ باطل ہے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

1. (شرح السنة للبغوي ١٠/ ٥٦)
2. (السنن والأحكام عن المصطفى عليه أفضل الصلاة والسلام : ٥/ ٥٢٠ ، رقم : ٦٣٣٣)
3. (المنتقى من أخبار المصطفى ﷺ : ٢/ ٧٣٨ ، رقم : ٤١٣٢)
4. (شرح النووي على مسلم : ١٢/ ٢٣١ ، رقم : ١٨٤٢)

”کیا آپ نے موسی کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کے معاملہ پر بھی غور کیا؟ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔" [1]

اس کی تفسیر میں جلیل القدر تابعی اور اسرائیلیات کے بڑے عالم وھب بن منبہ رحمہ اللہ (١١٤ ھ) فرماتے ہیں :

"وإنَّما كانَ قِوامُ بَنِي إسْرائِيلَ الاِجْتِماعَ عَلى المُلُوكِ، وطاعَةِ المُلُوكِ أنْبِياءَهُمْ، وكانَ المَلِكُ هُوَ يَسِيرُ بِالجُمُوعِ والنَّبِيُّ يُقَوِّمُ لَهُ أمْرَهُ، ويَأْتِيهِ بِالخَبَرِ مِن رَبِّهِ، فَإذا فَعَلُوا ذَلِكَ صَلُحَ أمْرُهُمْ، فَإذا عَتَتْ مُلُوكُهُمْ وتَرَكُوا أمْرَ أنْبِيائِهِمْ فَسَدَ أمْرُهُمْ."

”بنی اسرائیل میں طرزِ قیادت یہ تھا کہ وہ بادشاہوں پر اکٹھ کرتے تھے اور بادشاہ انبیاء کی اطاعت کرتے تھے۔ بادشاہ ہی جتھوں کو لے کر نکلتا تھا، اور نبی اس کی رہنمائی کرتا تھا، اور اسے رب کی طرف سے آئی وحی بتلاتا تھا۔ جب وہ اس طرح کرتے تھے تو ان کے معاملات سیدھے رہتے تھے، اور جب بادشاہ سرکشی کرتے اور انبیاء کا حکم چھوڑ دیتے تو ان کے معاملات میں بگاڑ آجاتا۔“ [2]

معلوم ہوا کہ بنفسہ حکومت سنبھالنا انبیاء کی سیاست نہیں تھی۔ بلکہ نبی بادشاہ کی اصلاح کیا کرتا تھا۔ اگر حصولِ اقتدار کوئی مقصد ہوتا تو نبی از خود زمامِ حکومت سنبھالتا، نا کہ کسی کو بادشاہ مقرر کرتا۔

علامہ ابو العباس القرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ ھ) انبیاء کی سیاست کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويعني بهذا الكلام أنّ بني إسرائيل كانوا إذا ظهر فيهم فساد أو تحريفٌ في أحكام التوراة بعد موسى بعث الله تعالى لهم نبيا يقيم لهم أمرهم ويصلح لهم حالهم، ويزيل ما غُيّرَ وبُدِّلَ من التوراة وأحكامها."

”اس کا معنی یہ ہے کہ موسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جب کبھی بگاڑ اور احکامِ تورات میں تحریف واقع ہوتی تو اللہ کوئی نبی بھیج دیتا جو ان کے دین کو اصل حالت میں قائم کرتا، اور ان کے حال کی درستی کرتا، اور تورات اور اس کے احکامات میں واقع تغیر و تبدل کا ازالہ کرتا۔“

پھر فرماتے ہیں :

"ولما كان نبينا ﷺ آخر الأنبياء بعثًا، وكتابه لا يقبل التغيير أسلوبًا ونظمًا، وقد تَوَلّى الله تعالى كلامه صيانةً وحفظًا، وجعل علماء أمته قائمين ببيان مشكله وحفظ حروفه وإقامة أحكامه وحدوده ... ولمّا كان أمر هذه

1. (سورة البقرة : ٢٤٦)

2. (تفسير الطبري : ٤٣٧/ ٤)

الأمة كذلك اكتفى بعلمائها عمّا كان من توالي الأنبياء هنالك."

"اور چونکہ ہمارے نبی ﷺ آخری مبعوث کردہ پیغمبر ہیں، اور ان کی کتاب کے اسلوب و نظم میں تغییر ناممکن ہے، اور اللہ نے اپنے کلام کی صیانت و حفاظت کا ذمہ بھی خود لے رکھا ہے، پھر اس کتاب کی مشکلات کی وضاحت، حروف کے حفظ اور احکام و حدود کے قیام کیلیے علماء کی جماعت پیدا کی ہے... سو جب اس امت کا معاملہ یہ ہے تو اُن امتوں میں پے در پے آنے والے انبیاء سے اس امت کے علماء کفایت کر جاتے ہیں۔"(1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) وجوبِ اجماع کی بحث میں ادلہ ذکر کرنے کے بعد اسی معنی کی مزید تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَهَذِهِ النُّصُوصُ وما كانَ فِي مَعْناها تُوجِبُ عَلَيْنا الِاجْتِماعَ فِي الدِّينِ كاجْتِماعِ الأَنْبِياءِ قَبْلَنا فِي الدِّينِ ووُلاةِ الأُمُورِ فِينا هُمْ خُلَفاءُ الرَّسُولِ قالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الحَدِيثِ الصَّحِيحِ: ﴿إنّ بَنِي إِسْرائِيلَ كانَتْ تَسُوسُهُمْ الأَنْبِياءُ كُلَّما هَلَكَ نَبِيٌّ قامَ نَبِيٌّ وإِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي وسَيَكُونُ خُلَفاءُ ويَكْثُرُونَ قالُوا: فَما تَأْمُرُنا يا رَسُولَ اللهِ؟ قالَ: أَوْفُوا بَيْعَةَ الأَوَّلِ فالأَوَّلِ وأَدُّوا لَهُمْ الَّذِي لَهُمْ فَإِنَّ اللهَ سائِلُهُمْ عَمّا اسْتَرْعاهُمْ﴾ وقالَ أَيْضًا: ﴿العُلَماءُ ورَثَةُ الأَنْبِياءِ﴾ ... فَهَؤُلاءِ هُمْ وُلاةُ الأَمْرِ بَعْدَهُ وهُمْ الأُمَراءُ والعُلَماءُ وبِذَلِكَ فَسَّرَها السَّلَفُ ومَن تَبِعَهُمْ مِن الأَئِمَّةِ كالإمامِ أَحْمَد وغَيْرِهِ وهُوَ ظاهِرٌ قَدْ قَرَّرْناهُ فِي غَيْرِ هَذا المَوْضِعِ. فالأُصُولُ الثّابِتَةُ بِالكِتابِ والسُّنَّةِ والإجْماعِ هِيَ بِمَنزِلَةِ الدِّينِ المُشْتَرِكِ بَيْنَ الأَنْبِياءِ لَيْسَ لِأَحَدِ خُرُوجٌ عَنْها ومَن دَخَلَ فِيها كانَ مِن أَهْلِ الإِسْلامِ المَحْضِ وهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ والجَماعَةِ."

"یہ اور اس معنی کی تمام نصوص ہم پر دین کے معاملے میں اجتماع کو واجب کرتی ہیں جیسے ہم سے پہلے انبیاء کا اجتماع تھا، اور ہمارے ولاۃ الامور ہم میں انبیاء کے جانشین ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا: "بنی اسرائیل میں ان کے معاملات کی باگ ڈور انبیاء کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ جب ایک نبی گزرتا تو دوسرا اس کی جگہ آجاتا، اور بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، عنقریب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔" لوگوں نے سوال کیا: "پھر آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟" فرمایا: "جس کی بیعت پہلے ہو جائے اس سے وفا کرنا، ان کا حق ادا کرتے رہنا، پس بیشک اللہ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں بازپرس کرنے والا ہے۔" اور فرمایا: "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔"... تو حکام اور علماء نبی کریم ﷺ کے بعد ولاۃ الامور ہیں، سلف صالحین اور ان کے متبعین ائمہ جیسے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے، جس کی وضاحت ہم نے کسی اور جگہ کر دی ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت اور اجماع سے

1.(المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : ٤٧/ ٤)

ثابت شدہ اصول انبیاء کے دینِ مشترک کی مانند ہیں، کسی کیلیے ان سے نکلنا جائز نہیں، اور جو ان میں داخل ہو گیا وہ خالص اہلِ اسلام میں سے ہو گیا جو اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔"[1]

ائمہ کرام کی ان تقریرات سے درج ذیل باتیں واضح ہوئیں:

١) سیدنا موسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں شریعتِ موسوی کی حفاظت ان کے علماء کے سپرد تھی، وقت گزرنے کے ساتھ اس میں فساد اور تحریف واقع ہو جاتی تھی۔ پھر اللہ تعالی کسی نبی کو مبعوث فرما دیتا تھا جو اس شریعت کی تطہیر و تجدید کا کام انجام دیتا تھا۔ یہ ان انبیاء کی سیاست تھی۔ ہماری امت میں شریعت کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے رکھا ہے، سو تحریف ممکن نہیں ہے، اس لیے اب نبی بھی نہیں آئے گا۔ اب صرف تشریح و توضیح اور اجتہاد کا باب کھلا ہے، جسے علماءِ اہل السنۃ والجماعۃ اس نبوی سیاست کے وارث ہونے کی حیثیت سے برتنے کے مجاز ہیں۔

٢) بنی اسرائیل میں بھی نبوت اور ملوکیت کا سلسلہ الگ الگ قائم تھا۔ انبیاء بقلم خود فرمانروائے مملکت پر براجمان نہیں ہوتے تھے، سوائے ان چند کے جن کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے۔ بلکہ انبیاء ملوک کی اصلاح و ارشاد کا کام انجام دیتے تھے۔ اور یہ ان کی سیاست تھی۔ اس سیاست کو نبی کریم ﷺ نے "النصيحة لأئمة المسلمين" سے تعبیر کیا ہے۔[2]

---

1. (مجموع الفتاوی : ١٧/١١٩)

2. سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الدِّينُ النَّصِيحَةُ" دین تو خیر خواہی ہے۔ "قُلْنَا : لِمَنْ ؟" ہم نے عرض کیا: کس کی؟ "قَالَ : لِلَّـهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ." فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اور مسلمان حکمرانوں اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔ (صحيح مسلم : ٥٥)

حکمرانوں کیلیے نصیحت میں درج ذیل باتیں شامل ہیں: ١) ان کی ولایت کا اعتراف کرنا۔ ٢) ان کی رُشد و ہدایت کا طالب ہونا۔ ٣) معروف میں ان کی اطاعت اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے بجالانا۔ ٤) رعایا کو بھی ان کی اطاعت کی ترغیب دینا۔ ٥) سب لوگوں کو ان پر جمع کرنے کیلیے کوشاں رہنا۔ ٦) حق پر ان کے دست و بازو بننا۔ ٧) رفق اور لطف کے ساتھ انہیں تذکیر کرتے رہنا۔ ٨) مسلمانوں کے حقوق میں سے جو باتیں ان پر مخفی رہ جائیں، انہیں بتلانا۔ ٩) فتنۂ وفساد سے بچتے ہوئے امر بالمعروف ونھی عن المنکر کرنا۔ ١٠) ان کی اصلاح کیلیے دعا گو رہنا۔ ١١) ان کی جھوٹی تعریفوں اور چاپلوسیوں سے باز رہنا۔ ١٢) عوام الناس میں ان کی برائیاں اچھالنے سے اجتناب کرنا۔ ١٣) ان کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کرنا۔ ١٤) وہ ظلم بھی کریں تو ان کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے باز رہنا۔ ١٥) ان پر خروج کو جائز سمجھنے والوں سے بغض رکھنا۔

(ملاحظہ ہو: تعظيم قدر الصلاة للمروزي : ٢/ ٦٩٣ ، شرح صحيح البخاري لابن بطال : ١/ ١٣١ ، شرح السنة للبغوي : ١٣/ ٩٥ ، شرح النووي على مسلم : ٢/ ٣٨ ، الفواكه الشهية للسعدي : ١٠٢)

نبوی سیاست کا غلغلہ مچانے والے ذرا دیکھیں کہ ان کی سیاست کے خد و خال ان چیزوں سے کتنے کو ملتے ہیں؟ یا وہ محض اپنے آپ کو دھوکہ دیے ہوئے ہیں؟!

٣) "سیاستِ انبیاء" کی جانشینی ولاۃ الأمور میں سے حُکام کی بجائے علماء کو حاصل ہے، جیسا کہ نصوص کو جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہ قرطبیؒ و شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے تفصیل سے اس معنی کو ثابت کیا ہے۔ نیز علماء کو قرآن مجید میں "ربانیین" بھی اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ نبوی طرز پر اصلاح وارشاد کا کام انجام دیتے ہیں۔

امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ (٣١٠ھ) فرماتے ہیں:

"الرَّبّانِيَّ المَنسُوبُ إلى الرَّبّانِ: الَّذِي يَرُبُّ النّاسَ، وهُوَ الَّذِي يُصْلِحُ أُمُورَهُمْ ويَرُبُّها، ويَقُومُ بِها."

"ربانی لفظ ربّان کی طرف نسبت ہے؛ یعنی جو لوگوں میں سرپنچ ہوتا ہے، اور وہی لوگوں کے امور کی اصلاح اور دیکھ بھال کا کام انجام دیتا ہے۔"[1]

رہی سیاست بمعنی حکومت تو اس حدیث کے مطابق وہ محض یہ ہے کہ حکمران کی سمع واطاعت پر کاربند رہا جائے اور اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔

اس میں ان جہلاء کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ علماء کتابی بات کرتے ہیں اور ہم عملی میدان میں ہیں، یا علماء فقہ النص تک محدود ہیں اور ہم فقہ الواقع جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ مساکین اس حقیقت سے نابلد ہیں کہ دعوت، وعظ، تبلیغ، جہاد سب علم کے ہی میدان ہیں، اور جو بھی ان میدانوں میں بغیر علم کے کودا ہے اس نے سوائے فساد کے کچھ حاصل نہیں کیا !

حزبی تشریح کی خطرناکی:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس حدیث سے یہ مفہوم نکالنے میں حرج ہی کیا ہے کہ چونکہ انبیاء سیاست (حکومت) کرتے تھے، سو ہم بھی حکومت حاصل کرکے شریعت کی بالادستی قائم کردیں۔ جواب کچھ یوں ہے:

١) حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایسے بھی نبی آئیں گے، جن کے ساتھ دو، ایک یا ایک بھی پیروکار نہیں ہوگا۔[2] اس حدیث کا معنی قیامِ حکومت کرنے سے لازم آتا ہے کہ وہ سب انبیاء معاذ اللہ ناکام ہی اس دنیا سے چلے گئے۔

٢) یہ مفہوم بیان کرنے سے تناقض لازم آتا ہے۔ کہ شروع حدیث میں اقامتِ حکومت کی تعلیم وترغیب ہے، اور آخر میں حکمرانوں کی طرف سے حق تلفیوں کے باوجود وفا اور سمع واطاعت کی۔

٣) یہ ایک بدعی مفہوم ہے جسے تحریکیوں نے ایجاد کیا ہے، امتِ مسلمہ چودہ سو سال تک اس سے ناواقف رہی ہے۔

٤) یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریۂ استخلاف وتمکین کے منافی ہے۔ نیز یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے منہجِ اصلاح وتغییر کے بھی منافی ہے۔

---

1. (تفسير الطبري: ٥/٤٢٩، واختار هذا المعنى شيخ الإسلام كما في: جامع المسائل، المجموعة الثالثة: ٦٥)
2. (صحيح البخاري: ٥٧٠٥، صحيح مسلم: ٢٢٠)

۵) یہ ان صریح نصوص کی مخالفت ہے جن میں اقتدار طلبی اور حکمرانوں سے منازعت سے منع کیا گیا ہے۔ نیز ان نصوص کے بھی خلاف ہے جن میں مروجہ سیاسی دھماچوکڑی کو گدھوں کی لڑائی سے تعبیر کیا گیا ہے، یا اس سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔[1]

ضروری تنبیہ:

کسی بھی مسئلے کو نہ سمجھنے کی بنیادی وجہ اس کا درست تصور نہ ہونا ہے۔ بہت سے لوگ حکام کی سمع واطاعت کے مسئلے سے اس لیے بدکتے ہیں کہ وہ اسے معروف و منکر میں مطلق اطاعت خیال کر بیٹھتے ہیں، یا اطاعت کا معنی ہر بات کی تائید سمجھتے ہیں، یا انکارِ منکر کو اطاعت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جب ان لوگوں کو اطاعت کا درست تصور ہی واضح نہیں ہوتا، تو وہ اسے اپنے خود ساختہ تصورات کی بھینٹ چڑھا کر رد کر دیتے ہیں۔

یہی سلوک اس موضوع کے ساتھ بھی روا رکھا جاتا ہے۔ کہ جب اہلِ علم اس موجودہ سیاستِ فاجرہ سے دوری، اس میں عدم شمولیت اور اس سے اعراض کی ترغیب دیتے ہیں تو حَرکی و حزبی لڑکے بالے فورًا سے شعر سناتے ہیں: جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی! ایسا اس لیے ہے کہ ان پر "فصل الدين عن السياسة" (دین کو سیاست سے الگ رکھنے) کا تصور ہی واضح نہیں ہے، جو کہ سیکولزم ہے اور کفریہ تصور ہے، اور جس کی ترغیب کوئی مسلمان کیونکر دے سکتا ہے؟! تو یہاں یہ مسئلہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔

سیکولزم مختصرًا یہ ہے کہ دین کا سیاسی معاملات میں عمل دخل نہیں ہے۔ ہر بندہ اپنے گھر میں جو چاہے مذہب اختیار کرے، اس کے مطابق عبادت کرے، مگر ریاستی واجتماعی سطح پر کسی خاص دین کی بات نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کفر ہے! اس کے برعکس اسلام یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات میں مذہب کا پورا عمل دخل ہے۔ ریاستی قوانین کا اسلام کے تابع ہونا واجب ہے، اور سرکاری سطح پر لوگوں کو اسلامی احکامات پر عمل کروانا ریاست کا فریضہ ہے۔

جب دین اور سیاست میں تفریق کا یہ مغربی تصور واضح ہو گیا، اور یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس کا تعلق سیاسی عمل میں شریک ہونے یا نا ہونے سے نہیں ہے، تو اب سمجھ لیجیے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اس سیکولر نظریے کے سب سے بڑے معارض و مخالف ہیں۔ کیونکہ ان کے منہج کی بنیاد ہی مناصحت، اصلاح، تذکیر، امر بالمعروف، نھی عن المنکر، دعا، اطاعت اور اجتماعیت جیسے عظیم اسلامی ابواب پر ہے، جن میں سے ایک ایک باب اس بیہودہ کفریہ تصور کے تار پور بکھیرنے کیلیے کافی ہے۔ اس کے برعکس حزبی گروہ کرسی تک پہنچنے کیلیے بہت سے مواقع پر اس سیکولر نظریے کو گلے لگانے سے نہیں چوکتے، جیسا کہ الیکشن کمپینوں کے دوران اور اس کے علاوہ بھی عمومًا دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔ واللہ المستعان!

فیضان فیصل (10 فروری، 2023ء بمطابق ۱۹ رجب ۱٤٤٤ھ)

---

1. (المعجم الكبير للطبراني: ١١١٣٨)